اسلئے کوئی مومن کتنا ہی گناہگار ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ البتہ کافر نے اگر دُنیا میں کچھ نیک عمل بھی کئے تو شرطِ عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں اس لئے آخرت میں اُس کی کوئی خیر خیر ہی نہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ، مراد اس سے وہ شر ہے جس سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کرلی ہو کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن و سُنّت میں بالیقینی طور پر ثابت ہے۔ البتہ جس گناہ سے توبہ نہ کی ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اسکا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ اسی لئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ عائشہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ دیکھو ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے (رواہ النسائی و ابن ماجہ عنہا)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے اور حضرت انسؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفاذۃ الجامعۃ فرمایا ہے یعنی منفرد یکتا اور جامع۔

اور حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ کو نصف القرآن اور قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ کو ثلث القرآن اور قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کو رُبع القرآن فرمایا ہے (رواہ الترمذی والبغوی۔ مظہری)

سُورَۃُ العٰدیٰت

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی عَشَرَۃَ اٰیَۃً

سورۂ عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ

قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر پھر آگ سُلگانے والے جھاڑ کر پھر غارت ڈالنے والے صبح کو پھر اُٹھانے والے اسمیں

نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ

گرد پھر گھس جانیوالے اسوقت فوج میں بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ آدمی اس کام کو

لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي

سامنے دیکھتا ہے اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ

الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱ ۲۷

قبروں میں ہے اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے بیشک اُن کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے

خُلاصۂ تفسیر

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں پھر اُس وقت غبار اُڑاتے ہیں پھر اُس وقت (دُشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں (مراد اس سے لڑائی کے گھوڑے ہیں۔ جہاد ہو یا غیر جہاد، عرب چونکہ حرب و ضرب اور جنگ کے عادی تھے جس کے لئے گھوڑے پالتے تھے اُن کی مناسبت سے ان جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی آگے جوابِ قسم ہے کہ) بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے اور اُس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی ابتداءً ہی اور کبھی کچھ غور کے بعد اپنی ناشکری کا احساس کرلیتا ہے) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے (یہی اسکی ناشکری کا سبب ہے آگے محبِ مال اور ناشکری پر وعید ہے یعنی) کیا اُس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں اور ظاہر ہو جاویگا جو کچھ دِلوں میں ہے بیشک اُن کا پروردگار اُن کے حال سے اُس روز پورا آگاہ ہے (اور مناسب جزا دیگا۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کو اگر اُس وقت کی پُوری خبر ہوتی اور آخرت کا حال مستحضر ہوتا تو اپنی ناشکری اور محبِ مال سے باز آجاتا)

معارف و مسائل

سورۂ عادیات حضرت ابن مسعودؓ اور جابرؓ اور حسن بصری، عکرمہ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک مکی اور ابن عباسؓ، انسؓ، امام مالک، قتادہ کے نزدیک مدنی سُورت ہے (قرطبی)

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات و صفات کا ذکر فرمایا اور ان کی قسم کھاکر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھاکر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں یہ حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بتلانا ہے اور یہ بات بھی پہلے آچکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھاکر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اُس چیز کو اُس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اُس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالیئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم و اشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، انکو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اسکا پیدا کیا ہوا نہیں، اسکا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے رزق کو اُن تک پہنچا دینے کا ایک واسطہ بنتا ہے اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اُس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے اسکے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسکو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل و شعور

دیا، اُن کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اُس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اکمل و اعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا اب الفاظ آیت کی تشریح دیکھئے عٰدِیٰت، عَدْو سے مشتق ہے جسکے معنی دوڑنے کے ہیں۔ ضَبْحًا، ضبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دوڑنے کے وقت اسکے سینے سے نکلتی ہے جسکا ترجمہ ہانپنا کیا گیا ہے۔ مُوْرِیٰت، ایراء سے مشتق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے چقماق کو مار کر یا دیاسلائی کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ قَدْحًا، قدح کے معنے ٹاپ مارنے کے پتھریلی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دوڑے خصوصاً جبکہ اُس کے پاؤں میں آہنی نعل بھی ہو تو ٹکراؤ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مُغِیْرٰت، اغارہ سے مشتق ہے جس کے معنے حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صُبْحًا صبح کے وقت کی تخصیص بیان عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہار شجاعت کے لئے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے اَثَرْنَ، اثارت سے مشتق ہے غبار اُڑانے کے معنی میں اور نقع غبار کو کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ گھوڑے میدان میں اس تیزی سے دوڑتے ہیں کہ ان کے سموں سے غبار اُڑ کر چھا جاتا ہے خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اُڑنا زیادہ سُرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت عادۃً غبار اُڑنے کا نہیں کسی سخت دوڑ ہی سے اس وقت غبار اُٹھ سکتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا، یعنی یہ دشمن کی صفوں میں بے خوف و خطر گھس جاتے ہیں۔ کَنُوْدٌ کے معنی میں حضرت حسن بصری رہ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اُس کو کنود کہا جاتا ہے۔ ابوبکر واسطی نے فرمایا جو اللہ کی نعمتوں کو اُس کی معصیتوں میں صرف کرے وہ کنود ہے۔ اور ترمذی نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کو دیکھے اور مُنعم یعنی نعمت دینے والے کو نہ دیکھے وہ کنود ہے۔ ان سب اقوال کا حاصل نعمت کی ناشکری کرنا ہے اس لئے کنود کا ترجمہ ناشکر کا کیا گیا ہے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ، خیر کے لفظی معنی ہر بھلائی کے ہیں۔ عرب میں مال کو بھی لفظ خیر سے تعبیر کرتے تھے، گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے حالانکہ درحقیقت بعض مال انسان کو ہزاروں مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی مال انسان کے لئے وبال بن جاتا ہے مگر عرب کے محاورہ کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کر دیا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں فرمایا اِنْ تَرَكَ خَيْرًا، یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے۔

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئیں، ایک یہ کہ وہ ناشکر ہے مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں ان میں انسان کو ان مذموم خصلتوں پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا حالانکہ وہ انسانی ضروریات کا مدار ہے۔ اور اُس کے کسب و اکتساب کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے تو مال کی محبت

کا مذموم ہونا یا تو وصف شدت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پرواہ نہ رہے، اور یا اسلئے کہ مال کا کسب اکتساب اور بقدر ضرورت جمع کرنا تو مذموم نہیں بلکہ فرض ہے مگر محبت اُس کی بھی مذموم ہے کیونکہ محبت کا تعلق دل سے ہے اسکا حاصل یہ ہوگا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اُس سے کام لینا تو ایک فریضہ اور محمود ہے لیکن دل میں اُس کی محبت ہونا پھر بھی مذموم ہی ہے۔ جیسا انسان پیشاب پاخانے کی ضرورت کو پورا بھی کرتا ہے اُس کا اہتمام بھی کرتا ہے مگر اسکے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ بیماری میں دوا بھی پیتا ہے آپریشن بھی کراتا ہے مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ بدرجۂ مجبوری کرتا ہے اسی طرح اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہیئے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اُس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اُس سے کام بھی لے مگر دل اسکے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی رہ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا ہے ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است ٭ آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی جب کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک دل کی کشتی کے اردگرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ آخر سورت میں انسان کی ان دونوں مذموم خصلتوں پر آخرت کی وعید سُنائی گئی۔

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ الآیۃ، کیا اس غافل انسان کو اس کی خبر نہیں کہ قیامت کے روز جبکہ مُردے قبروں سے زندہ کر کے اُٹھا لئے جاویں گے اور دِلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجاوینگی اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ رب العالمین ان سب کے سب حالات سے باخبر ہیں تو اسکے مطابق جزا و سزا دیں گے اسلئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ ناشکری سے باز آئے اور مال کی محبت میں ایسا مغلوب نہ ہو کہ اچھے بُرے کی تمیز نہ رہے۔

فائدہ اس آیت میں یہ دو مذموم خصلتیں مطلق انسان کی بیان کی گئی ہیں حالانکہ انسان میں انبیاء و اولیاء اور بہت سے صلحاء عباد ایسے ہیں، جو ان مذموم خصلتوں سے پاک اور شکر گزار بندے ہوتے ہیں مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں حرام مال سے بچتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مطلق انسان کیطرف ان مذموم خصلتوں کی نسبت اس لئے کر دی گئی کہ اکثر انسان ایسے ہی ہیں اس سے سب کا ایسا ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس آیت میں انسان سے مراد انسان کافر لیا ہے جیسا کہ اوپر خلاصہ تفسیر میں ایسا ہی ہے اسکا حاصل یہ ہوگا کہ یہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں کسی مسلمان میں بھی خدانخواستہ پائی جائیں تو اُسے فکر کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم

تمت سورۃ العٰدیٰت بحمد اللہ تعالیٰ